بحث ونظر

شاہ ولی اللہؒ کی تنقیدِ تصوف اور اس کی حدیں

——— ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ/۱۷۰۳۔۱۷۶۳ء) ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف تصوف کا غلغلہ تھا۔ شیخ طریقت والد اور صاحبِ ذوق ومعرفت چچا کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ ان کے اساتذہ اور مشائخ نے بھی ان کے اس رجحان کو قوت عطا کی اور جلا بخشی۔ خود مبدأ فیاض نے تصوف و روحانیت کو ان کی طبیعت میں خوب رچا بسا دیا تھا۔ شاہ صاحب قولاً وفعلاً، نظراً وعملاً صوفی تھے اور ابتدا سے انتہا تک صوفی رہے۔ ان کی فکری زندگی کو سفرِ حرمین سے قبل و بعد کے ادوار میں تقسیم کرنا لغو وعبث ہے۔ وہ ساری زندگی صوفیا کے مشرب کے امین و نقیب رہے۔ نفسِ تصوف کی تردید کی جاسکتی ہے، شاہ صاحب کے فضل وکمال اور علمی مقام ومرتبے سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے، لیکن اس امر کا انکار مشکل ہے کہ شاہ صاحب خالصتاً صوفی تھے۔ کیونکہ اول الذکر ایک فکری مسئلہ اور دعویٰ ہے جو فی حدِ ذاتہ ردّ وقبول کا امکان رکھتا ہے، جب کہ دوسری بات ایک تاریخی حقیقت ہے۔ شاہ صاحب وحدۃ الوجود، فنا وبقا، توجہ الی الشیخ (حیّاً ومیّتاً)، کشف وکرامات، احوال ومقامات، الہام ومشاہدات، توسّل واستمداد، استعانتِ اولیاء وغیرہ کے قائل تھے اور میلاد وفاتحہ، عرس ونیاز، سماع، مجالسِ ربیع الاول ومحرم، ذکرِ شہادتِ حسین، ختمِ خواجگان، زیارتِ قبور اور دعا تعویذ وغیرہ پر عامل تھے اور زندگی بھر ان پر دعوتِ عمل دیتے رہے۔ دلائل الخیرات، قصیدۂ بردہ، جواہر

خمسہ اور دعائے سیفی وغیرہ کی سند رکھتے تھے اور اپنے مریدین ومتوسلین میں تقسیم کرتے تھے۔

اتنا ہی نہیں، بلکہ شاہ صاحب کے یہاں افکار واشغال کی صورت میں بعض ایسے متصوفانہ عناصر ملتے ہیں جن سے خود بیش تر حامیانِ تصوّف بھی براءت کرتے نظر آتے ہیں، جیسے طوافِ قبور اور ستاروں کی تاثیرات جیسے اقوال، یا پھر سجدۂ تعظیمی اور مزامیر کی حلت جیسے مسائل، جو اشارہ وکنایہ میں ان کی کتابوں اور تحریروں میں دست یاب ہیں۔ یہاں دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ تصوف وخانقاہ سے قطع نظر مولانا احمد رضا بریلویؒ جیسے عالم بھی طوافِ قبور، سجدۂ تعظیمی اور مزامیر کو شدّت کے ساتھ حرام اور اسلامی تعلیمات کے دائرہ سے خارج سمجھتے تھے۔

شاہ صاحب جیسے صوفی بلکہ فنافی التصوف سے تصوف وصوفیا پر تنقید کے باب میں کچھ زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور ان کے یہاں جو کچھ تنقید ملتی ہے وہ بالکل ویسی ہے جیسی فقہاء کرام اصحابِ حیل پر اور محدّثین وضّاعین اور راویانِ ضعاف پر کرتے ہیں۔ [1]

شاہ صاحب کے یہاں تصوف وصوفیا پر تنقیدی عناصر کی کمی کی ایک وجہ ان کا تطبیقی وتوفیقی مزاج ومشرب بھی ہے جو ان کی فکر کا جزء لاینفکّ ہے۔ وہ حتی الامکان مسائل میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے متعدد مقام پر اسے اپنا ایک خصوصی وصف قرار دیا ہے۔

اس موضوع کے سلسلے میں ایک اور دشواری شاہ صاحب کے نام سے جعلی کتابوں کی اشاعت اور ان کی اپنی کتابوں میں تحریف والحاق کی شہرت ہے۔ مثلاً البلاغ المبین نامی کتاب میں اس موضوع کے سلسلے میں خاصا مواد ہے، لیکن اس کا الحاقی ہونا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اپنے موضوعات، طرزِ تحریر اور زبان وبیان کے اعتبار سے شاہ صاحب کی تصنیفات سے مختلف ہے، بلکہ خارجی شہادتیں بھی اسے الحاقی ثابت کرتی ہیں۔ چناں چہ شاہ رفیع الدین کے نواسے اور شاہ صاحب کی کتابوں

کے ناشر سید ظہیر الدین احمد نے انفاس العارفین کے آخر میں شاہ صاحب اور دوسرے اکابرینِ خانوادۂ ولی اللہی کے نام سے منسوب جعلی والحاقی کتابوں کی جو فہرست دی ہے اس میں بھی البلاغ المبین کا نام درج ہے۔ تصوف واعمالِ صوفیا سے متعلق خود تفہیمات الٰہیہ وغیرہ معروف کتابوں میں بعض ایسی تنقیدات ملتی ہیں جو شاہ صاحب کی عمومی فکر اور ان کے اپنے معمولات سے متصادم ہیں۔

اس سلسلے میں میرا اپنا تجربہ بھی ہے۔ میں اسی مضمون کی تیاری کے سلسلے میں تفہیمات شائع شدہ از ڈھابیل کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک ایسی عبارت میں مجھے توقّف ہوا جس میں جہّالِ صوفیا کے ساتھ ساتھ مجاهدون للتصوف کو بھی قطّاع الطریق اور لصوص الدین قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات صرف فکرِ ولی اللہی سے ہی نہیں، بلکہ سیاقِ عبارت سے بھی ہم آہنگ نہ تھی۔ بعض گرامی قدر بزرگوں اور دوستوں نے عبارت کو قابلِ قبول معنیٰ دینے کی کوشش کی، مگر مجھے اطمینان نہیں ہوا، کیوں کہ معنیٰ کو صحیح فرض کر لینے کے باوجود عبارت کے سیاق وسباق میں اس مفہوم کی نامانوسیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی، جب قاسمی صاحب کے نسخے اور دوسرے مطبوعہ نسخوں میں بھی یہی عبارت ملی تو میں نے مخطوطات کی جانب رجوع کیا۔ مجھے اپنے ذاتی مخطوطے کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ایک مخطوطے میں بھی مجاهدون للتصوف کے بجائے جاحدون للتصوف ملا، یعنی منکرین ومعاندینِ تصوف کو شاہ صاحب نے جاہل صوفیا کے زمرے میں رکھا ہے۔ اور دونوں کو قطّاع الطریق اور لصوصِ دین (رہزن وچور) قرار دیا ہے۔

شاہ صاحب کی تصوف پر تنقید کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلی قسم میں وہ تنقیدات شامل ہیں جن میں تصوف کے مسائل وافکار وغیرہ پر جرح کی ہے اور دوسری قسم ان تنقیدات پر مشتمل ہے جن کا نشانہ ان کے معاصر ”جہال صوفیہ“ ہیں۔

پہلی قسم کی تنقیدوں میں حضرت حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے ملاقات،

رسول کریم ﷺ تک خرقہ پوشی کی روایت کی اسناد اور مفاضلہ وغیرہ کی بحثیں شامل ہیں۔

شاہ صاحب محدثین کے طریقے پر، متوفر روایات کی روشنی میں حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات کو ثابت نہیں مانتے، لیکن فوراً ہی ان کا توفیقی مشرب سامنے آتا ہے اور وہ فرماتے ہیں: ''لیکن تمام صوفیا کا اس ملاقات پر اجماع ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے''۔

خرقہ پوشی کی روایت کے سلسلے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ مجدالدین بغدادیؒ نے اپنی کتاب 'تحفۃ البررۃ' میں بیان کیا ہے کہ خرقہ پوشی کی نسبت آں حضور ﷺ تک حدیثِ مستفیض کے ذریعہ ثابت ہے...... میں عرض کرتا ہوں کہ محقق محدثین نے آں حضرت ﷺ تک اس اتصال کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود وہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے طبقے کے مشائخ تک ہمیشہ خرقہ کی نسبت قائم کرتے ہیں۔''[۲]

بعض متاخر صوفیا کے یہاں ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے لگتا ہے کہ یہ حضرات ''انسانِ کامل'' کو 'ملکِ مقرّب'' پر فضیلت دیتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس فکر کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں:

وقع عند كثير من أهل الله أن البشر الكاملين منهم مفضلون على المقربين من الملائكة وليس هذا بصواب[۳]	بہت سے اہل اللہ کے نزدیک کامل انسان مقرب فرشتوں سے افضل ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح شاہ صاحب نے "الولاية أفضل من النبوة" (ولایت نبوت سے افضل ہے) کے عقیدے کا بھی رد کیا ہے[۴] اور اس ضمن میں بعض صوفیا کے یہاں رائج اس معروف تاویل کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جس کے مطابق یہاں ولایت سے مراد نبی کی ولایت ہے۔

اگرچہ محققین واکابرین صوفیا کے یہاں قرآن وسنت کی اتباع ہی اول وآخر معیار ہے۔ حتّٰی کہ جمہور صوفیا نے اصحابِ شطحات کی بھی رعایت نہیں کی اور واضح طور پر

یہ اعلان کردیا کہ "**ليست كلمة فرد حجة على جماعة شعارها التمسك بالكتاب والسنة**" ۵ (کسی ایسی جماعت کے ایک فرد کا قول اس کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا جس کا یہ شعار ہو کہ ہر حال میں کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہا جائے) لیکن بعض متاخر صوفیا کے یہاں "بہ مے سجادہ رنگیں کن اگر پیر مغاں گوید" کو رواج مل گیا اور یہ فقرہ مشہور ہوگیا کہ "**من قال لشيخه: لما، لن يفلح أبدا**" (جس نے اپنے شیخ سے یہ کہا کہ: ایسا کیوں ہے؟ وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔) شاہ صاحب نے متاخرین کی اس فکر کی پُرزور و باتمثیل تردید فرمائی ہے:

إذا أمر عارف رجلا مريدا أن يشترى الخمر وغير ذلك مما لم يبحه الشارع كما وقع لشمس الدين التبريزى مع مولانا الرومى فينبغي للمأمور أن لا يفعله وليعتذر عذراً بيّناً، ولا يشتمه، ولا يسبّه فلعل تحت ذلك طائل خلافا لأكثر الصوفياء ۔۶

اگر کوئی عارف (باللہ) اپنے کسی مرید سے کہے کہ وہ شراب یا کوئی اور ناجائز چیز خرید لائے، جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی کے ساتھ شمس تبریزی کی جانب سے پیش آیا تھا تو مرید کو چاہیے کہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کرے، اور واضح طور پر معذرت کرلے، اور شیخ کو برا بھلا نہ کہے، کیوں کہ ممکن ہے اس کے پیچھے کوئی حکمت پوشیدہ ہو، اکثر صوفیا کا اس میں اختلاف ہے۔

حلول و اتحاد کا عقیدہ خالصتاً غیر اسلامی عقیدہ ہے، اور ہر دور کے صوفیا نے اس پر نکیر کی ہے ۷، شاہ صاحب بھی ان اکابرین کی ہم نوائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم نبتت فرقة خبيثة وهى الفرقة التى تزعم أن الله عين العالم والعالم عين الله وليس هناك حساب ولا عذاب ۔۸

پھر ایسا فرقۂ خبیثہ ظاہر ہوا جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عالم کا عین اور عالم اللہ کا عین ہے اور سرے سے کوئی حساب و کتاب نہیں ہے۔

وھؤلاء المتصوفة القائلون بأن العالم عین الله والله عین العالم زنادقة وضررھم علی العامة شدید وکبیر۔ ۹	اور یہ متصوفین جو اس بات کے قائل ہیں کہ: اللہ عین عالم اور عالم عین اللہ ہے، زنادقہ ہیں، عوام الناس کے لئے یہ بے حد نقصان دہ ہیں۔

شاہ صاحب نے حد سے تجاوز کرنے والے متقشف قسم کے زاہدوں پر اپنی کتابوں میں سخت تنقیدیں کی ہیں اور انہیں خاص نشانہ بنایا ہے۔الطاف القدس میں فرماتے ہیں:

''صحابہ اور تابعین کے مبارک دور کے بعد کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے تعمق اور تشدد کا راستہ اختیار کیا اور کسر نفسی کے بارے میں ایک بھنک ان کے کانوں میں پڑ گئی تو انہوں نے تشخیص اور مقدار کا لحاظ کئے بغیر ہر بیماری کے لیے ہر دوا تجویز کردی اور کہنے لگے کہ اس راہ میں رسم وعادت اور رسوم رواج کے علاوہ کوئی چیز مانع نہیں ہے، لہٰذا کوشش کر کے نفس سبعی و شہوی کو مغلوب کرنا چاہیئے، ان لوگوں نے نفسانی خواہشات، لذیذ طعام اور عمدہ لباس ترک کردیئے، ان کی طبیعت ان بیمار لوگوں کی سی ہو جاتی ہے جو مسلسل بیماری کی وجہ سے نفس کے تمام تقاضوں کو فراموش کر چکے ہوتے ہیں، یا پھر ان کی طبیعت ان خوش مزاج زاہدوں جیسی ہو جاتی ہے جو متمدن لوگوں کی تہذیب سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں''۔۱۰

متاخرین صوفیا کے یہاں یا اِن میں سے بعض کے یہاں ظاہر و باطن کی جامعیت کا جو فقدان ملتا ہے شاہ صاحب نے اسے بھی ہدفِ ملامت بنایا ہے، کیوں کہ تصوف میں ظاہر و باطن دونوں کی تطہیر و تعمیر پر زور دیا گیا ہے، اور یہی جامعیت قرآن کا مطلوب ہے۔اللہ رب العزت فرماتا ہے ''وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ،، (الانعام۔۱۵۱) شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''ایک گروہ تو باطن کی درستگی پر اکتفا کرتا ہے اور ظاہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اسے آسان اور معمولی سمجھتا ہے اور یہ متاخر صوفیا کی غلطیوں میں سے

ایک غلطی ہے''۔[۱۱]

شاہ صاحب صوفیا کرام کے اوراد واشغال پر پوری زندگی عمل پیرا رہے اور اس ضمن میں آپ نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں، لیکن بایں ہمہ اگر وہ سلاسلِ صوفیا میں موجود کسی عمل کی کتاب وسنت سے دلیل نہیں پاتے اور اس کے لیے کوئی تاویلِ حسن بھی تلاش نہیں کر پاتے تو اُس سے اپنی براءت کے اعلان میں کسی پس وپیش سے کام نہیں لیتے تھے۔ القول الجمیل میں فرماتے ہیں:

للچشتية صلاة تسمّٰى صلاة المعكوس لم نجد من السنة ولا أقوال الفقهاء ما نشدها به فلذلك حذفناها ۔[۱۲]

چشتیوں کے یہاں ایک نماز ہے جسے صلاۃ معکوس کہتے ہیں، لیکن اس کی تائید میں مجھے سنت اور فقہا کے اقوال میں سے کوئی چیز نہیں ملی، لہٰذا میں نے اسے حذف کردیا۔

اسی طرح اس کتاب کی چوتھی فصل میں اشغالِ مشائخِ قادریہ کا ذکر ہے جس میں ایک شغل آنے والے احوال ووقائع کے کشف کا ہے۔ اس میں قرآن کریم کو آگے پیچھے، دائیں اور بائیں ہر چہار سمت میں کھلا رکھنا پڑتا ہے۔ اس کا مکمل ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

قلت هذا ما قبل، وفي قلبي منه شئ لما فيه من إساءة الأدب بالمصحف۔[۱۳]

یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میرا دل اسے گوارا نہیں کرتا، کیوں کہ اس میں قرآن شریف کی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔

شاہ صاحب نے بعض نقشبندی صوفیا کے اس ''گمان'' کا بھی رد کیا ہے کہ اس سلسلے میں اوراد وظائف نہیں ہیں اور اس کے لیے عقلی ونقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ ''ہمعات'' میں فرماتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ مشہور روایات میں صبح وشام اور سوتے وقت کے اذکار وادعیہ کے مذکور ہونے کے باوجود خواجہ نقشبند ان کا کلیتًا انکار کردیں۔ نقلی دلائل میں مولانا یعقوب چرخی کے 'رسالۂ انسیہ' کا حوالہ دیا ہے اور خود خواجہ نقشبند کے اس قول کو بھی پیش کیا ہے کہ: ''ہمارے طریقے کی بنیاد احادیث وآثار کے اتباع پر ہے''۔[۱۴]

اسی میں شاہ صاحب نے طریقۂ نقشبندیہ کے بعض بزرگوں کے ذکرِ جہری سے انکار کو ہٹ دھرمی بتایا ہے۔ ۱۵

شاہ صاحب خود صوفی ہونے کے باوجود صوفیا کی دور از کار تاویلات کو ناپسند کرتے تھے، بعض مقامات پر تو ان پر بڑے دلچسپ پیرائے میں طنز کیا ہے۔ سلوک و جذب کے درمیان فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شریعت میں راہِ سلوک کی تو وضاحت کی گئی ہے، لیکن راہِ جذب کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ جس طرح شریعت میں اسم اعظم اور لیلۃ القدر کی تشریح نہیں کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود جو لوگ شارع علیہ السلام کے اقوال کو ''راہ جذب'' پر محمول کرتے ہیں تو اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن حاجب سے تصوف کے قوانین اخذ کرے''۔ ۱۶

شاہ صاحب نے جہاں کوئی بات خلاف شرع دیکھی یا مسلمانوں کے حق میں اسے مضر سمجھا تو بلاتوقف اس کا تعاقب و محاسبہ فرمایا:

شخصے پیش من گفت کہ بعض مشائخ متاخرین درحق مریدین خود بشارت می دہند کہ از مرتبۂ جنید قدم پیش نہادہ است یا بہ ولایت فلاں پیغمبر رسیدہ	ایک شخص نے میری موجودگی میں کہا کہ: بعض مشائخ متأخرین نے اپنے کسی مرید کے بارے میں یہ بشارت دی کہ وہ حضرت جنید بغدادی سے بھی آگے بڑھ گیا ہے یا فلاں پیغمبر کی ولایت کے مقاصد تک پہنچ گیا ہے......

شاہ صاحب اس پر نقد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ایں حرف تصنع است'' یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔ ۱۷

شاہ صاحب کی تنقیدات کی دوسری قسم کا تعلق اصلِ تصوف سے نہیں ہے، بلکہ ان کے معاصر صوفیا سے ہے، جنہیں وہ جہّال، متقشفین، کرامت فروشاں وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ تصوف کے بجائے اُس زوال پزیر مسلم معاشرے

کی نمائندگی کررہے تھے جو طوائف الملوکی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔اس معاشرے میں صرف صوفیا ہی زوال پزیر نہیں تھے، بلکہ زندگی کا ہر شعبہ،علوم وفنون کی تمام اصناف اور مسلمانوں کے سارے طبقات فساد میں گرفتار اور رجعتِ قہقری کا شکار تھے۔ چناں چہ جہاں شاہ ولی اللہؒ نے جہال صوفیا پر گرفت کی ہے وہیں علم سے عاری عبادت گذاروں، متقشفین فقہا،حرفیت پسند محدثین اور غالی قسم کے اصحاب معقولات وعلم کلام کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے،فرماتے ہیں:

ولایصحب جهال الصوفية ولا جهال المتعبدين، ولاالمتقشفة من الفقهاء ولاالظاهريةمن المحدثين ، ولا الغلاة من أصحاب المعقول والكلام، بل يكون عالما صوفيا زاهدا في الدنيا دائم التوجه إلى الله منصبغا با لأحوال العلية راغبا في السنةمتبعا لحديث رسول الله ﷺ وآثار صحابه، طالبا لشرحها وبيانها من كلام الفقهاء المحققين......[۱۸]

جاہل صوفیا، جاہل عبادت گزاروں ،متقشف فقہا، ظاہر پرست محدثین اور غالی معقولیوں اور متکلمین کی صحبت اختیار مت کرو، بلکہ ایک ایسے صوفی عالم بن کر رہو جو دنیا سے کنارہ کش ہو اور ہمیشہ اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہو، بلند احوال میں ڈوبا ہوا ہو،سنت میں رغبت رکھتا ہو ، رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ طیبہ اور صحابۂ کرام کے آثار کا پیرو ہو، اور (ہوائے نفس کے بجائے) محققین فقہا کے فرمودات سے ان احادیث و آثار کی شرح و بیان کو اخذ کرنے والا ہو۔

ایک اور جگہ جس کی طرف ابتدا میں اشارہ کیا جاچکا ہے، شاہ صاحب جاہل صوفیا اور معاندین تصوف کی سرزنش کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان دونوں طبقوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور اعتدال وتوازن کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ونحن لا نزدرى أحداًمن العلماء فالكل طالبو الحق،ولا نعتقد العصمة فى أحد غير النبي ﷺ ، والميزان

ہم کسی عالم کی تحقیر نہیں کرتے ، سب طالبانِ حق ہیں ، البتہ ہم نبی کریم ﷺ کے سوا کسی کو معصوم نہیں سمجھتے ہیں اور

فـي معرفة الخير والشر الكتاب على تـاويـلـه الصريح،ومعروف السنة لا اجتهـاد الـعلماء ولا أقوال الصوفية ، وليـس مـنـا مـن لـم يتدبّر كتاب الله ولـم يتـفهّـم حديث نبيه ﷺ وليس مـنـا مـن ترک ملازمة العلماء أعني الـصـوفية الذين لهم حظ من الكتاب والسـنة أو الراسخين في العلم الذين لهـم حظ من الصوفية......أما الجهال مـن الصوفياء والجاحدون للتصوف فـأولٰئـک قـطـا ع الـطـرق ولصوص الدين فإياک وإياهم [۱۹]	خیر وشر سے آگہی کا معیار صرف واضح تاویل کی روشنی میں اللہ کی کتاب اور سنتِ مشہور ہے، نہ کہ علما کے اجتہاد اور صوفیا کے اقوال۔ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے کتاب اللہ میں غور وفکر نہیں کیا، اور نبی کریم ﷺ کی حدیث میں فہم وبصیرت حاصل نہیں کی۔وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے ایسے علما یعنی صوفیا کی صحبت ورفاقت ترک کردی ہو جنھیں کتاب وسنت میں معرفت حاصل ہو۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ایسے علماء راسخین سے کنارہ کش ہوگیا جو تصوف آگاہ ہیں..... باقی رہے جاہل صوفیا اور منکرینِ تصوف تو یہ دونوں ایمان کے لٹیرے اور دین چور ہیں ان سے بچ کے رہو۔

شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جابجا معاصر متصوفین یا ان کی اپنی تعبیر میں ''منتحلانِ تصوف'' کی نشان دہی کی ہے اور ان کا ردِ بلیغ فرمایا ہے۔تفہیمات میں فرماتے ہیں:

وجمعے از منتحلان تصوف ہستند کہ لباس زناں پوشند وزیور درپاۓ وگلوکنند ...... وجمعے دیگر ہستند کہ نظارۂ امردان پیشہ گرفتہ اند وشرب خمر وبنگ وخلاعہ ...... اختیار نمودند۔ [۲۰]	اور تصوف کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے والا ایک گروہ وہ ہے جو زنانہ لباس پہنتا ہے اور پاؤں و گلے میں زیور پہنتا ہے ......ایک دوسرا گروہ ہے جو نو خیزوں کا نظارہ کرتا ہے شراب و بھانگ استعمال کرتا ہے اور بے شرمی میں مشغول رہتا ہے۔

اسی قبیل کے چھ مزید گروہوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں شریعت کا حکم صریح بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

إنی أقول فی نفسی إن هؤلاء المتصوفة الضالة فی زماننا هذا أشهد الله بالله علیهم أنهم فرقة نابتة فی الإسلام لیست من أصل الإسلام[٢١]	میں اس زمانے کے ان گمراہ متصوفین پر خدا کو گواہ بنا کر اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ بخدا یہ اسلام میں پیدا ہونے والا ایسا گروہ ہے جسے اصل اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شاہ صاحب چوں کہ تصوف کو کتاب وسنت کے تابع رکھنا اور اسے اس کے شفاف چشموں کی طرف واپس لوٹانا چاہتے ہیں لہٰذا وہ بے روح ''رہ و رسم خانقاہی'' کی مخالفت کرتے ہیں، عقابوں کے نشیمن پر قابض ومتصرف زاغوں کو خصوصیت سے اپنی تنقید کا ہدف بناتے ہیں، کبھی ان کے جمود وتعطل پر ان کی گرفت کرتے ہیں، تو کبھی ان کی بے عملی اور بے راہ روی پر ان کی سرزنش کرتے ہیں، کہیں انتہائی دل سوزی کے ساتھ انہیں نصیحت کرتے ہیں تو کہیں انہیں حرفیت وشکلیت کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

أقول لأولاد المشائخ المترسّمین برسم آبائهم من غیر استحقاق، یاأیهاالناس! ما لکم تحزّبتم أحزاباً واتبع کل ذی رأی رأیه، وترکتم الطریقة التی أنزلها الله علی لسان محمد ﷺ رحمة بالناس ولطفاً بهم وهدی لهم. فانتصب کل واحد منکم إماما و دعا الناس إلیه	میں مشائخ کی ان اولاد سے کہتا ہوں جو بغیر کسی استحقاق کے بہ تکلف خود کو باپ دادا کے رنگ میں ظاہر کرتے ہیں، اے لوگو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہو اور ہر ایک اپنی رائے کی پیروی کر رہا ہے اور تم نے اس طریقے کو چھوڑ دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے نازل کیا ہے اور جو

وزعم نفسه هاديا مهدياوهو ضال ومضل. نحن لانرضى بهؤلاء الذين يبايعون الناس ليشتروابه ثمناً قليلاً...... ۔ ۲۲

لوگوں کے لئے رحمت و کرم اور ہدایت ہے۔تم میں سے ہرکوئی مقتدااوررہنما بن بیٹھا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف بلارہاہے، اور خود کو ہادی و مہدی گمان کرتا ہے، جب کہ حال یہ ہے کہ وہ گمراہ بھی ہے اور گمراہ گر بھی۔ ہم اُن سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جو لوگوں سے اس لئے بیعت لیتے ہیں کہ اس کے ذریعے تھوڑی سی قیمت وصول کریں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

وأقول للمتفسّقين من الوعّاظ والعبّاد والجالسين في الخانقاهات أيها المتنسّكون ركبتم كل صعب وذلول، وأخذتم بكل رطب ويابس ودعوتم الناس إلى الموضوعات والأباطيل وعسرتم على الخلق وإنما بعثتم ميسّرين لامعسّرين وتمسّكتم بكلام المغلوبين من العشّاق، وكلام العشّاق يُطوىٰ ولايُروىٰ، واستطبتم الوسواس وسمّيتموه الاحتياط...... ۲۳

اور میں فاسق واعظوں ، عبادت گزاروں اور خانقاہوں کے مسند نشینوں سے کہتا ہوں : اے زاہدو! تم نے ہر آسان و دشوار اور خشک و تر کو اختیار کرلیا ہے ، لوگوں کو موضوع روایات اور باطل خیالات کی طرف بلایا ہے اور مخلوق کو دشواریوں میں ڈالا ہے، جب کہ تم دشواریاں پیدا کرنے کے بجائے آسانیاں فراہم کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ تم نے محبانِ خدا میں سے مغلوب الحال لوگوں کے کلام کو پکڑ لیا ہے جبکہ عاشقوں کی بات کو چھپایا جاتا ہے، پھیلایا نہیں جاتا ہے۔ وسوسے تمھیں خوش آتے ہیں اور تم لوگ ان کا نام احتیاط رکھتے ہو۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے کے بعض صوفیا یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ نماز میں کمالِ خشوع وخضوع نہیں ہوتا، اس لیے نماز سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی باتیں محض ازقسم ''ظن'' ہیں اور ان کا نماز کو بے فائدہ سمجھنا اس لیے ہے کہ یہ لوگ ''حلاوتِ ذکر'' کی نسبت سے واقف نہیں ہیں''۔[۲۴]

وصیت نامے میں فرماتے ہیں کہ:

وصیت دیگر آنست کہ دست در دست مشائخ ایں زمانہ ہرگز ناباید و بیعت باایشاں نباید کرد......[۲۵]	دوسری وصیت یہ ہے کہ اس زمانے کے مشائخ کے ہاتھوں میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے اور ہرگز ان کی بیعت نہیں کرنی چاہیے۔

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ یہاں مشائخ سے مراد وہی ''جہال'' اور ''کرامت فروشاں'' وغیرہ ہیں، ورنہ خود شاہ صاحب نے اپنے معاصرین سے بیعت و ارادت حاصل کی اور ہزاروں کو اس سے سرفراز کیا۔

حضرت شاہ صاحب تصوف میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے، لہٰذا ان کی منصبی ذمہ داری تھی کہ اس فن شریف میں جو دخیل افکار اور اعمال ہیں ان کی نشان دہی فرمائیں اور ان کا یہ عمل اکابرینِ صوفیا جیسے حضرت جیلانیؒ و شعرانیؒ اور سرہندیؒ وغیرہ کے عمل کا تسلسل ہی تھا، بلکہ انھی کے تتبع اور پیروی میں تھا۔ جس طرح شعرانیؒ کو اپنی مصلحانہ کوشش کی پاداش میں ایک گروہ کی ناراضی و تنقید اور دوسرے گروہ کی تحریف و دسیسہ کاری کا سامنا کرنا پڑا اسی طرح کچھ شاہ صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا، البتہ دونوں میں فرق یہ رہا کہ شعرانی کی کتابوں میں زیادہ تر تحریف ان کی زندگی میں ہی ہوئی جس کا انہوں نے لطائف المنن وغیرہ میں ازالہ کر دیا، مگر شاہ صاحب کے ساتھ یہ معاملہ ان کے انتقال کے بعد ہوا اور معنوی تحریفات کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ علاوہ ازیں شعرانی کا سابقہ دینی معرفت رکھنے والوں اور زباں دانوں سے تھا، چناں چہ ان کی شخصیت سے غبار بہت جلدی ہٹ گیا اور لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہوگئی اور دسیسہ

کاریوں کا بھی سدِّ باب ہوگیا، لیکن حضرت شاہ صاحب کا معاملہ دینی لحاظ سے نسبتاً کم آگاہ اور اردو خواں لوگوں سے پڑا، چناں چہ ان کی شخصیت پر آج بھی غلط فہمیوں کی دھند پڑی ہوئی ہے۔

یہ عجب طرفہ تماشا ہے کہ شاہ صاحب جیسے صوفی اور حامی تصوف کو تصوف مخالف کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے تو تمام اکابرین ومتقدمینِ صوفیا اور متاخرین میں سے تمام محققینِ صوفیا کو تصوف مخالف ثابت کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے 'منتحلانِ تصوف' اور 'مترسمین بالصوفیہ' کے خلاف قلمی وفکری اور قولی وعملی جہاد نہ کیا، ہو مگر یہ مٹھی بھر خاک سے روئے زمین کو ڈھانپنے کی بات ہوگی۔ بلکہ اس طرح تو فقہاء حیل ورخص پر تنقید کی وجہ سے علماء شریعت کو فقہ مخالف، وضّاعین اور راویانِ ضعاف پر محدثین کی تجریح وتنقید کے نام پر انہیں حدیث مخالف، فلسفیانہ افکار رکھنے والے متکلمین کی زجر وتوبیخ پر علماء عقیدہ کو توحید وکلام مخالف اور اسرائیلیات وذاتی رائے کو تفسیر میں شامل کرنے والوں کی مخالفت کرنے والوں کو تفسیر مخالف ثابت کیا جاسکتا ہے۔

ایمان ودیانت کی بات تو یہ ہے کہ شاہ صاحب کے حوالے سے تصوف کو رد کرنے سے زیادہ صحت مند علمی رویہ یہ ہوگا کہ تصوف کے حوالے سے شاہ صاحب کو رد کردیا جائے، اس لیے کہ شاہ صاحب نہ تو شریعت کا مدارعلیہ ہیں اور نہ ان پر نجاتِ اخروی موقوف ہے، لیکن اس کے لیے تطہیر کی ایک لمبی اور دل شکن ریاضت درکار ہوگی۔ مطلق تصوف کی مخالفت میں شاہ صاحب کی کوئی ایک نص نہیں پیش کی جاسکتی اور نہ مستند صوفیا کے خلاف ان کا کوئی قول پیش کیا جاسکتا ہے جنہیں تصوف کے نام پر اکثر مطعون کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے ادب واحتیاط کا عالم تو یہ ہے کہ وہ ان مغلوب الحال صوفیا کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہتے جن کے منتسبین پر سخت تنقیدیں فرماتے ہیں۔ لہٰذا تصوف کو نشانہ بنانے کے لیے شاہ صاحب کے کاندھوں کا استعمال سخت ناروا اور امانتِ علمی کے قطعاً خلاف ہے۔ شاہ صاحب کی تنقیدی حدیں صرف

اورصرف تصوف کے بعض فرعی مسائل اور بعض متاخر جاہل و بےعمل متصوفین تک محدود تھیں۔ ان کے یہ تنقیدی بلکہ تجدیدی کارنامے ہمیشہ اربابِ تصوف کے لیے مشعلِ راہ رہیں گے۔ انہوں نے تصوف کے اس چشمے کی تنقیح وصفائی کا جو کام کیا ہے وہ تاریخِ تصوف میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔ اہلِ تصوف کو چاہئے کہ شاہ صاحب کے اس عمل کو جاری وساری رکھیں۔ بلکہ آج تصوف کی تہذیب اور صفائی کی ضرورت عہد ولی اللہٰی سے کہیں زیادہ ہے، تاکہ اسے موجودہ ''درگاہیت'' کی یلغار اور نام نہاد صوفیا کے شب خون سے محفوظ رکھا جاسکے اور اس کے ثمرات و برکات کو بندگانِ خدا کے درمیان زیادہ سے زیادہ عام کیا جاسکے۔

اگر شاہ صاحب کی ان عبارتوں بلکہ کتابوں سے صرف نظر کرلیا جائے جن میں انہوں نے صراحت کے ساتھ تصوف کی تائید وحمایت کی ہے، اور اگر ان کی زندگی کو بھی نظر انداز کردیا جائے جو ابتدا تا انتہا ایک صوفی کی زندگی سے عبارت ہے اور صرف تصوف اور صوفیا پر ان کی تنقیدوں کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو بھی ایک متوسط نظر والا تصوف کے بارے میں ان کے فکر وموقف سے آگاہ ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ان کی تنقیدیں ہر جگہ مقید ہیں، جیسے: کرامت فروشاں، بعض متاخر صوفیا، المتصوّفہ الضالّۃ فی زماننا، منتحلانِ تصوف، بعض مشائخ، گرمیٔ بازار پیدا کرنے والے، ہمارے زمانے کے بعض صوفیا، بعض بزرگوں، بعض صوفیاء نقشبند، ایک گروہ، جاہل اہلِ وجد، کچھ ایسے لوگ، جہال الصوفیاء، بعض مشائخ متاخرین، فرقۂ اخریٰ، فرقہ نابتہ......وغیرہ وغیرہ۔ ان قیود کا واضح مفہوم مخالف یہی ہے کہ حقیقی تصوف اور اس کے عاملین ان تنقیدات کے دائرے سے باہر ہیں۔ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے ایک بڑی ہی دل نشین اور روح پرور تمثیل پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

إن الزارع يزرع الحبوب الغاذية النافعة ثم يسقيه الماء فينبت من غزارة الماء وسهولة الأرض أنواع	کسان کھیت میں نفع بخش غذائی دانوں کو بوتا ہے اور اسے پانی سے سینچتا ہے، تو پانی کی کثرت اور مٹی کی نرمی کے سبب اس

من الكلأ والعشب، لايتم أمر الزارع إلا بقطعها وإتلافها [26] میں طرح طرح کا گھاس پھوس اُگ آتا ہے ،کسان کا مقصد انھیں کاٹے اور مٹائے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔

اور شاہ صاحب نے یہی کام کیا ہے، جو کام اپنی فصل کی اہمیت وضرورت سے واقف اور اس سے محبت کرنے والا ہر باشعور اور سمجھ دار کسان کرتا ہے، مصلحتِ زراعت سے ناواقف اور دور سے دیکھنے والا - حامی زراعت ہو یا مخالف - کچھ بھی سمجھ سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نہ صرف ''تصوف'' بلکہ نظری وعملی تصوف کی تقریباً تمام اصطلاحات کو مانتے اور برتتے تھے۔ان جیسے بلند مرتبت عالم سے یہ بات کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اصطلاح کی حیثیت محض عنوان اور علامتِ دالّہ کی ہوتی ہے اور یہ مقصود حقیقی نہیں ہوتی ہیں، بلکہ کسی مقصود ومعہود مفہوم کے ابلاغ وترسیل کا بھی ایک ذریعہ ہوتی ہیں اسی لیے اہل علم کے درمیان یہ قول بے حد مشہور ومقبول ہے کہ ''لامناقشة في الاصطلاح'' (اصطلاح میں کوئی نقاش واختلاف نہیں ہوتا ہے) البتہ اصطلاح کا مفہوم ومصداق قابلِ بحث ومناقشہ بھی ہوتا ہے اور ردّوقبول بھی ۔لیکن اس مفہوم ومصداق کی تعریف وبیان کا حق صرف اس کو وضع کرنے والوں یا اسے استعمال کرنے والوں کو ہوتا ہے ،کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ واضع کی منشا اور اہل اصطلاح کے استعمال کے خلاف اس پر کوئی مفہوم اپنی طرف سے تھوپ دے اور پھر اس کا رد وابطال کرنے بیٹھ جائے ،یہ بھی علم جدل ومنطق کا ایک مسلّم قاعدہ ہے ۔بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ دو مختلف علموں میں بطور اصطلاح داخل ہوتا ہے، لیکن ان میں سے ایک کے مفہوم کو دوسری جگہ استعمال نہیں کیا جاسکتا، جیسے منقطی قیاس اور فقہی قیاس یا نحوی مرفوع اور حدیثی مرفوع وغیرہ۔

رہا اصطلاح تصوف کا مفہوم تو وہ اہل تصوف کے نزدیک ''ایسا علم ہے جس کے ذریعہ تزکیۂ نفس ،صفائی اخلاق اور ظاہر وباطن کی تعمیر کے احوال کی معرفت ہے، تاکہ ابدی سعادت کا حصول ہو'' ۔[27]

حضرت جنیدؒ (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں: ''تمام اچھے اخلاق کو اختیار کرنا اور برے اخلاق کو ترک کرنا تصوف ہے''۔[۲۸]

ابوالحسن شاذلیؒ (م ۶۵۶ھ) کا ارشاد ہے:

التصوف تدريب النفس على العبودية وردّها للأحكام الربوبية[۲۹]	نفس کو عبادت کا خوگر بنانے اور اسے احکامِ الٰہی کی طرف پھیرنے کا نام تصوف ہے۔

بتائیے اس مفہوم میں کیا ہے جسے رواقی، اشراقی، ودانتی یا نوافلاطونی کہا جائے، بلکہ یہی تو لبِ دین اور روحِ عقیدہ ہے۔ حکومتِ الٰہیہ یا نظامِ مصطفٰی کا قیام ہو یا اقامتِ دین، اسلام کے نظامِ عدل واقتصاد کی تنفیذ ہو یا فہمِ قرآن وسنت کی دعوت سب اسی غایتِ عظمٰی کے حصول کے وسائل ہیں۔

جس طرح علم کلام یا توحید مرتبۂ ایمان تک اور علم فقہ مرتبۂ اسلام تک پہنچانے والے علوم ہیں، اسی طرح علم تصوف مرتبۂ احسان تک پہنچانے والا علم ہے، یہ تینوں مراتب حدیثِ جبریل میں مذکور ہیں اور ان مراتب تک پہنچانے والے اِن تینوں علوم کا مصدر کتاب وسنت ہے۔ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ توحید یا فقہ اپنے اصطلاحی معنوں میں کتاب وسنت میں وارد نہیں ہوئے، یا ان اصطلاح کے بجائے ایمان اور اسلام کا استعمال ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں قرونِ اولٰی کے بعد ایجاد ہونے والی ہزاروں اصطلاحات، جن میں سے اکثر ''تصوف'' سے متاخر ہیں، ان کے خلاف کسی نے کوئی مہم جوئی نہیں کی، بلکہ ہر کوئی انھیں انشراحِ صدر کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اور جب ہماری کوئی بھی تحریر و گفتگو بیسویں صدی کی اصطلاحات سے خالی نہیں رہتی تو اس قدیم اصطلاح پر اعتراض کا جواز کیوں کر پیدا کیا جا سکتا ہے؟۔

تصوف کی یہ اصطلاح خیر القرون کے آخری مرحلے میں رواج پا گئی تھی، اور پہلی صدی کے اواخر میں خوب شائع و ذائع تھی، اس کی دلیل حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کا یہ قول ہے کہ: '' رأيت صوفيا في الطواف فأعطيته شيئا فلم يأخذه و قال معي أربعة دوانيق يكفيني ما معي''[۳۰] (میں نے دورانِ طواف ایک صوفی کو

دیکھا تو اسے کچھ دینا چاہا، لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس چار دوانیق ہیں اور جب تک یہ میرے پاس ہیں میرے لئے کافی ہیں) اور حضرت سفیان ثوری کا یہ اعتراف کہ: "**لولا أبو هاشم الصوفی ما عرفت دقیق الریاء**" [۳۱] (اگر صوفی ابو ہاشم نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیوں کو نہ سمجھ پاتا) بلکہ مولانا عبد الماجد دریابادی نے امام طوسیؒ (م۳۷۸ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اخبار مکہ" کے مطابق لفظ صوفی اسلام سے پہلے بھی عابد و زاہد کے لئے استعمال ہوتا تھا۔[۳۲] یہ اسلام کی بالکل خلاف واقعہ ترجمانی ہے کہ علمی اصطلاح وضع کرنے پر اس نے کوئی پابندی لگائی ہے۔ یہ ان متقدمین علماء حدیث وتفسیر وفقہ وتوحید پر تہمت بھی ہے جنھوں نے ہزاروں اصطلاحیں بنائیں۔ (اللہ ان سب کو جزائے خیر دے) اور اس ضمن میں "راعنا" جیسے غیر اصطلاحی لفظ کے استعمال پر قرآن کریم کی وقتی و عارضی پابندی کو حجت بنانا بھی قیاس مع الفارق یا سفسطہ ہے۔

ان سب کے باوجود یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف ایک خالص ذوقی و معنوی علم اور قلبی و باطنی اعمال کا نام ہے۔ اس میں الفاظ وظواہر کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ آپ اسے تصوف نہ کہیے، روحانی اسلام کہیے، تزکیہ کہیے، احسان کہیے، اسلام کا باطنی رخ یا اس کا نظریۂ اخلاق اور تہذیب نفس کہیے، کوئی اصطلاح استعمال کیجئے، بہ شرطے کہ وہ تصوف کی حقیقت و روح کے منافی نہ ہو۔ تصوف کو کسی اصطلاح پر اصرار ہے اور نہ کسی مناسب اصطلاح پر کوئی اعتراض ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنی تنقیدِ تصوف میں کہیں بھی اس اصطلاح سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، اور نہ انھیں اس سے کوئی اختلاف تھا۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں ہزاروں بار اس اصطلاح کا استعمال کیا ہے، البتہ کہیں کہیں اس کی جگہ لفظ "احسان" کا استعمال کیا ہے اور وہ بھی زیادہ تر عربی کتابوں میں۔ اس کا سبب صرف ان کا عربی ذوق ہے، اسے کوئی اور معنیٰ دینا صحیح نہیں ہے۔ اس استعمال میں شاہ صاحب کی کوئی تخصیص یا انہیں اولیت حاصل نہیں ہے، بلکہ تصوف کی قدیم و جدید عربی کتابوں میں اس کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ شاہ صاحب کو کلّی یا جزئی طور پر اس اصطلاح سے کوئی اختلاف تھا، یا انھوں نے تصوف سے زیادہ احسان کی اصطلاح استعمال کی ہے، اور یا پھر ان کی صوفیانہ فکر کی تعبیر اور اس کے بیان میں قصداً اور خواہ مخواہ صرف لفظ احسان کا استعمال کرنا ان کی صحیح ترجمانی نہیں، بلکہ ایک طرح سے معنوی تحریف ہے۔

جہاں تک تصوف، احسان اور تزکیہ سے متعلق شاہ صاحب کی فکر کا سوال ہے تو اسے خواہ کسی رنگ و آہنگ میں پیش کیا جائے، اور اس کے لئے خواہ کیسے ہی الفاظ و مصطلحات کا استعمال کیا جائے، وہ اہلِ تصوف کی عمومی فکر سے باہر کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کی فکرِ تصوف کے تمام عناصر صوفیا کی کتابوں میں موجود، بلکہ انہی سے ماخوذ ہیں۔ البتہ شاہ صاحب کی فکرِ تصوف میں بعض ایسے عناصر ضرور موجود ہیں جنہیں اگر متقدمین اور محققین ائمہ تصوف کی بارگاہ میں پیش کیا جائے تو شاید مشکل ہی سے انھیں قبول و استحسان حاصل ہو۔

شاہ صاحب نے اپنی تنقیدات میں اشارتاً و کنایتاً بھی تصوف کو غیر اسلامی نہیں قرار دیا ہے، بلکہ وہ اسے روحِ اسلام سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی تحریروں سے سیکڑوں نصوص و اشارات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا پورے تصوف کو اجنبی و دخیل ماننے والوں کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ شاہ صاحب کو اس کا ذریعہ بنائیں۔

'تصوف کی اصل غیر اسلامی ہے' یہ تصوف پر ایک قدیم الزام ہے، لیکن جتنا قدیم یہ الزام ہے اتنا ہی قدیم اس ''غیر اسلامی اصل'' کی تعیین میں الزام لگانے والوں کا باہمی اختلاف و اضطراب بھی ہے۔ ایک گروہ اسے ویدوں کی تعلیم سے ماخوذ مانتا ہے۔ اس کی قیادت ہارٹن (Horton)، بلوشیٹ (Blochet) اور ماسینیون (Massignon) وغیرہ کرتے ہیں، تو دوسرا اسے بودھ دھرم سے مستعار سمجھتا ہے، اس کی سربراہی گولڈ زیہر (Goldzeher) اور اولیری (O'Leary) وغیرہ کرتے ہیں، تیسرا عیسائی رہبانیت کو تصوف کا منبع و مصدر قرار دیتا ہے۔ ابتدا میں نکلسن کی یہی رائے تھی، لیکن بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور Encyclopaedia of

Religion and Ethic میں یہ اعتراف کیا ہے کہ تصوف کے بارے میں اب تک کے سارے قیاس غلط تھے اور اس کا ماخذ صرف اور صرف کتاب و سنت ہے۔ کچھ اسے ایرانی مانویت کا چربہ بتاتے ہیں اور بعض حضرات تو تمام علمی و اخلاقی حدیں توڑتے ہوئے اس کی اصل ایسے فکری و فلسفیانہ مکاتبِ فکر کو قرار دیتے ہیں جو تصوف کے بعد کی پیداوار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھانت بھانت کی بولیاں ہی اس الزام کے بے حقیقت ہونے کی دلیل ہیں۔

آخر میں ایک اہم سوال ہے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا ایک نظری و عملی صوفی ہونا آفتاب نیم روز کی طرح واضح و روشن ہے اور ان کی تنقیدِ تصوف کی حدیں بھی متعین ہیں جو صرف بعض فروعی مسائل اور جاہل صوفیا تک محدود ہیں؛ تو آخر کیا وجہ ہے کہ گزشتہ ایک سو برس یا کچھ کم و بیش سے شاہ صاحب کو تصوف کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے؟ ایں و آں قدر ہر کوئی شاہ صاحب ہی کے حوالے سے تصوف کی مخالفت کرتا نظر آتا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ شاہ صاحب تصوف کی چودہ سو سالہ تاریخ کے سب سے محتاط صوفی ہوں، بلکہ ان سے کہیں زیادہ محتاط اور ظاہر شریعت پر عمل کرنے والے بھی ناوکِ طعن و تنقید سے محفوظ نہیں ہیں، تو پھر شاہ صاحب میں ایسی کیا خصوصیت ہے، یا پھر معارضین تصوف کی ایسی کون سی مجبوری ہے کہ ان کے بغیر بات نہیں بنتی ہے، اور تصوف مخالف کوئی بھی تحریر و گفتگو ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی؟ کیا یہ اس لئے کہ اسلامیانِ ہند میں شاہ صاحب سے پہلے ان کے قد و قامت کی کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جسے اس کام کے لئے استعمال کیا جائے؟ یا ان کے بعد کی کوئی شخصیت خود معارضین کی اپنی نگاہوں میں بھی لائقِ اعتنا اور قابلِ شمار نہیں؟ جب کہ ان کے بعد تصوف مخالف شخصیات کی ایک طویل فہرست ہے، یا اس کا سبب فکرِ ولی اللہی کی وہ آدھی ادھوری، محرّف اور غیر واقعی صورت گری ہے جو ماضی میں کی گئی ہے، اور جس نے اس علمی تضاد اور فکری تناقض کو جنم دیا ہے؟ یا......کوئی اور سبب ہے؟ اس سوال کا جواب ایک اہم اور ضروری علمی تقاضا ہے ”فھل من مجیب؟“ [۳۳]

حواشی و مراجع

۱ شاہ صاحب کے ان افکار و معمولات کے لئے خود ان کی تصنیفات ملاحظہ فرمائیں جیسے: القول الجمیل (مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکادمی، لاہور)، الطاف القدس (مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۰۷ھ)، فیوض الحرمین (مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۰۸ھ)، انفاس العارفین (مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۳۵ھ)، ہمعات (مکتبہ رحمانیہ، دیوبند، ۱۳۶۹ھ)، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ (مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۱۱ھ)، اَطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (مطبعۃ ضیاء القرآن، لاہور، ۱۹۸۵ء)، الخیر الکثیر، مرتبہ: شیخ محمد عاشق پھلتی (مدینہ برقی پریس، جون پور، ۱۳۵۲ھ)، لمحات (حیدر آباد، غیر مؤرخ)، التفہیمات الالٰہیہ (مجلسِ علمی، ڈھابیل، ۱۳۵۵ھ) القول الجلی فی ذکر آثار الولی وغیرہ۔

مزید دیکھئے: پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، الامام الشاہ ولی اللہ الدہلوی، عرض موجز لحیاتہ وفکرہ، ادارۂ علومِ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۶۹، ۷۶۔

۲ رسائلِ شاہ ولی اللہ، جلد اول، تحقیق و ترجمہ: سید محمد فاروق قادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۵-۲۲۶۔

۳ تفہیمات، مطبوعہ ڈھابیل، ج ۲، ص ۱۵۰۔ ۴ نفسِ مرجع، ج ۲، ص ۱۵۱

۵ تصوف کی کتابیں کتاب و سنت سے تمسک اور شریعت کی اتباع و تعظیم کی اہمیت و ضرورت کے موضوع سے بھری ہوئی ہیں۔ تصوف پر اس جہت سے طعن و تشنیع بڑی نامناسب بات ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: "علمنا هذا مشتبك بالكتاب و السنة" (ہمارا یہ علمِ تصوف حدیثِ رسول ﷺ سے گندھا ہوا ہے)۔ دیکھئے: ابونصر سرّاج طوسی، کتاب اللمع، دار الکتب الحدیثۃ، مصر، ۱۹۶۰ء، ص ۱۴۴۔ حضرت بسطامیؒ اپنے رفقاء کے ساتھ کسی شخص کی بزرگی کو سن کر اس سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہ شخص قبلہ کی طرف تھوک رہا ہے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آؤ لوٹ چلیں، "هذا الرجل ليس بمأمون على أدب من آداب رسول الله ﷺ، فكيف يكون مأموناً على ما يدعيه من مقامات الأولياء" (یہ شخص جب رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب کی پاس داری نہیں کرسکا تو اولیاء کے ان مقامات کی

پاس داری کیا کرے گا جن کا یہ مدعی ہے)۔کتاب اللمع، مرجع سابق ص ۱۴۶۔ ابو حفص نیشاپوریؒ م ۲۷۰ھ فرماتے ہیں: "من لم يزن أفعاله و أقواله في كل وقت بالكتاب و السنة و لم يتّهم خواطره فلا يعدّ في ديوان الرجال" (جو ہمہ وقت اپنے اعمال واقوال کو کتاب وسنت پر نہیں تولتا اور اپنے ذاتی خیال کو رد نہیں کرتا اس کا شمار صوفیا میں نہیں ہوتا ہے)۔ان شواہد کے لئے دفاتر کی ضرورت ہوگی، اور یہ ایسی حقیقت ہے، اس عہدِ زوال میں کوئی کچھ بھی کہے، لیکن اس کا اعتراف خود شیخ ابن تیمیہؒ اور شیخ ابن قیمؒ نے کیا ہے۔اول الذکر اپنی کتاب "الفرقان بين أولياء الرحمان و أولياء الشيطان" میں فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، معروف کرخی اور جنید بغدادی رحمہم اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "یہ کتاب وسنت کے مشائخ ہیں، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین"، اور ابن قیمؒ صوفیا کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ: "تصوف کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے"۔دیکھئے: محمد منظور نعمانی (مرتب) تصوف کیا ہے، مقالہ: محمد اویس نگرامی "تصوف اور شیخین"، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۸۱ھ، ص ۹۱

۶ تفہیمات، مطبوعہ ڈھابیل، ج ۲، ص ۴۵

۷ امامِ اہلِ تصوف شعرانیؒ فرماتے ہیں: "إن ابليس نفسه و هو ملهم الخبائث لا يجرؤ تلك القولة الملعونه التي ارتكب أربابها أمرا إدا تكاد السماوات يتفطرن منه و تخر الجبال هدا" (برائیوں کا ملہم ہونے کے باوجود خود ابلیس بھی اس ملعون قول کی جرأت نہیں کرے گا جس کا ارتکاب اتحاد وحلول کا عقیدہ رکھنے والوں نے کیا ہے، قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ ڈھہ کر گر جائیں)۔دیکھئے: طٰہٰ عبد الباقی، التصوف الاسلامی والامام الشعرانی، مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ، ۱۹۵۵ء، طبع دوم، ص ۹۲

عارف باللہ علی خواص فرماتے ہیں: "هؤلاء الزنادقة و هم أنجس الطوائف لأنهم لا يرون حسابا و لا عقابا، و لا جنة و لا نارا، و لا حراما و لا حلالا، و لا آخرة ......" (اتحاد وحلول کا عقیدہ رکھنے والے زنادقہ ہیں، اور یہ سب سے ناپاک گروہ ہے، کیونکہ ان کی نگاہوں میں حساب وعذاب، جنت و دوزخ، حلال حرام اور آخرت.... سب بے حقیقت ہیں)۔دیکھئے: نفس مرجع، نفس صفحہ۔شیخ علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس کا نام ہے" حلولية لعنهم الله "

اس میں حلول و اتحاد کا عقیدہ رکھنے والوں کی زبردست مذمت ونکیر کی ہے۔ دیکھئے: اردو ترجمہ فضل الدین گوہر، ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، غیر مؤرخ، ص۳۶۰۔ اور خود شیخ اکبر نے حلول واتحاد کا رد کیا ہے، اپنی کتاب ''عقیدۂ وسطی'' میں فرماتے ہیں کہ: ''لا حلول و لا اتحاد ... و ما قال بالاتحاد إلا أهل الإلحاد كما إن القائل بالحلول من أهل الجهل و الفضول '' (کہاں کا حلول اور کیسا اتحاد...اتحاد کی بات کرنے والا ملحد اور حلول کا قول اختیار کرنے والا صاحب جہل وفضول ہے)۔ دیکھئے: التصوف الاسلامی، مرجع سابق، ص۹۱

۸ تفہیمات، مطبوعہ ڈھابیل، ج۱، ص۲۰۶

۹ التفہیمات الالہیۃ، مخطوطہ حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص۶۹۴

۱۰ الطاف القدس، ترجمہ: سید محمد فاروق قادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸ء، لطائف خمسہ کی تہذیب کا بیان، ص۴۹

(۱۱) الطاف القدس، مرجع سابق، ص ۵۹

(۱۲) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، شاہ ولی اللہ اکادمی، لاہور، ص۶۴

(۱۳) نفس مرجع، ص۵۱، ۵۲

(۱۴) ہمعات، اردو ترجمہ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۶۰

(۱۵) نفس مرجع، ص ۶۷

(۱۶) نفس مرجع، ص ۸۵ (۱۷) تفہیمات (مخطوطہ)، ص ۶۶۱

(۱۸) القول الجمیل، مرجع سابق، ص ۱۰۷۔ شاہ صاحب کی یہ عبارت بے حد جامع اور ان کے فکر و مسلک کی پوری نمائندگی کرنے والی ہے۔ اس کی روشنی میں ان کے مطلوب مسلمان کی مکمل تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے، جو محققین فقہاء کے پیروکار ایک صوفی کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

(۱۹) تفہیمات، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری؛ وعبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکاڈمی لاہور، ۱۹۴۴ء، ص۲۱۰۔ اس عبارت کا آخری فقرہ ''اما الجهال من الصوفية و الجاحدون للتصوف '' تمام مطبوعہ نسخوں میں محرف ہے اور

ان سب میں شاہ صاحب کے مقصود کے سراسر خلاف ''المجاہدون للتصوف'' ہے۔البتہ عبید اللہ سندھی صاحب کی مذکورہ بالا کتاب میں عبارت کا جو ترجمہ دیا ہے وہ اصل کے مطابق اس طرح ہے ''اور باقی رہے جاہل صوفیہ اور جاہل علماء جو تصوف کا انکار کرتے ہیں تو یہ دونوں چور اور رہزن ہیں''۔مقالہ کی ترتیب کے دوران سندھی صاحب کا ایک مضمون مطبوعہ رسالہ فرقان (باردوم: بریلی، ۱۳۶۰ھ) دستیاب ہوا جس میں عربی متن بھی شامل ہے اور اس میں ''الجاحدون للتصوف'' ہی مذکور ہے۔

(۲۰) تفہیمات ڈھابیل، ج ا،ص ۱۱۳۔۱۱۵ (۲۱) نفس مرجع، ج ا،ص ۲۰۵

(۲۲) تفہیمات (ڈھابیل)، ج ا،ص ۲۱۴ (۲۳) نفس مرجع، ج ا،ص ۲۱۵

(۲۴) ہمعات، مرجع سابق، ص ۹۹۔۱۰۰

(۲۵) تفہیمات، اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ، حیدرآباد (سندھ)، ص ۲۸۹

(۲۶) تفہیمات (ڈھابیل)، ج ا،ص ۲۰۵۔

(۲۷) دیکھئے: قاضی زکریا انصاری (متوفی، ۹۲۹ھ)، شرح الرسالۃ القشیریۃ، مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ص ۷

(۲۸) دیکھئے: مصطفیٰ مدنی، النصرۃ النبویۃ، مطبعۃ عامریۃ، مصر، ۱۳۱۶ھ، ص ۲۲

(۲۹) دیکھئے: حامد صقر، نور التحقیق، مطبعۃ دار التالیف، مصر ۱۳۶۹ھ، ص ۹۳

(۳۰) دیکھئے: ابونصر سراج طوسی، کتاب اللمع، مرجع سابق، ص ۴۲

(۳۱) دیکھئے: عبدالرحمان جامی، نفحات الانس، تحقیق: مہدی توحیدی، چاپخانۂ زہراء، ایران، ۱۳۳۶ش.ھ (۱۳۷۶ھ) ص ۳۱

(۳۲) عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، مطبعہ معارف اعظم گڑھ، طبع سوم، ص ۳۱، وکتاب اللمع، مرجع سابق، ص ۴۲۔۴۳

(۳۳) عربی جملہ کا مقصد دعوتِ جواب نہیں صرف دعوتِ فکر ہے، اور یہ محض ایک سخن گسترانہ فقرہ ہے۔